

منصوص صفات جس شخص کو مستحق زکوٰۃ بناتی ہیں وہ شخص صاحب نصاب اور غنی ہونے کے باوجود زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ اس سلسلے کی ایک حدیث اور نقل کی جا چکی ہے۔

آخر میں یہ امر بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ زکوٰۃ جماعت اسلامی کے بیت المال کا واحد ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ جماعت کی آمد کے متعدد ذرائع ہیں، ان میں کتب و رسائل کی آمدنی بھی ہے۔ ارکان و متفقین کی خصوصی اعانتیں بھی ہیں اور عام اہل خیر کے عطیات بھی ہیں۔ اس لیے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ جماعت کے بالمعاوضہ کارکن اپنی تنخواہیں زکوٰۃ سے لے رہے ہیں یا جماعت کے دوسرے سارے کام زکوٰۃ کے بل پر چل رہے ہیں۔ اب تو فیضیہ یہ صورت ہے کہ متعدد بڑے بڑے شہروں میں خیراتی تنصفا خانے قائم ہیں اور زکوٰۃ و صدقات زیادہ تر ان پر صرف ہو رہے ہیں۔ سبب المال میں اگر زکوٰۃ آتی ہے تو اس کا یا قاعدہ حساب رکھا جاتا ہے اور اعانت فقراء و مساکین پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے اس کا بھی الگ حساب رکھا جاتا ہے۔ جماعت کے دیگر مصارف اتنے زیادہ ہیں کہ زکوٰۃ کی بقیہ رقم اگر ان میں خرچ ہو، تب بھی وہ ان مصارف کا ایک معمولی جز بنتی ہے، اس لیے اس امر کا کوئی خدشہ باقی نہیں رہتا کہ زکوٰۃ اپنے صحیح مصرف میں خرچ نہ ہو۔

منصب تجدید اور وحی و کشف

سوال۔ رسالہ ترجمان القرآن بابت ماہ جنوری و فروری ۱۹۵۱ء کے صفحہ ۲۲۶ پر ایک سوال کے جواب کے دوسان میں تحریر فرمایا گیا ہے کہ:

”پچھلے زمانہ کے بعض بزرگوں نے بلاشبہ اپنے متعلق کشف و الہام کے طریقہ سے خبر دی ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے مجدد ہیں۔ لیکن انہوں نے اس معنی میں کوئی دعویٰ نہیں کیا کہ ان کو مجدد تسلیم کرنا ضروری ہے اور حجاز کو نہ مانے وہ گمراہ ہے۔“

یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے نفی بابت الہیہ میں بڑے زور کے ساتھ یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا ہے کہ تو اس زمانہ کا

امام ہے۔ چاہیے کہ لوگ تیری پیروی کو ذریعہ نجات سمجھیں۔ ثناء صاحب کی کتاب ”تغہیات“ کا اصل حوالہ مع ترجمہ درج ذیل ہے :-

قد مَنَّ اللهُ سبحانه علىَّ وعلى
اهل زمانى بان منحنى طريقاً من
السنوك هي اقرب الطريق وهي مكيدة
من خمس اقربايت اعنى الايمان
الحقيقى وقرب المزاغل وقرب
الوجوب وقرب الفرائض وقرب
الملوك وجعل هذه الطريقة
غاية من ارادها اتاه الله تعالى
فهمنى ربى جل جلاله انا
جعلتك امام هذه الطريقة و
اوصلتك ذروة سنامه وسددنا
طرق الوصول الى الحقيقة القرب
كلها اليوم غير طريقة واحدة و
هو محبتك والانقياد لك فالسما
امس على من عاداك بسما ووليت
الارض عليه بار من اهل المغرب
واهل المشرق كلهم رعيتك و
انت من نطنهم غلاموا وبلدك يملوا
فان علموا فازوا وان جهلوا

اللہ تعالیٰ نے مجھ اور میرے زمانے کے لوگوں
پر یہ احسان کیا کہ اس نے مجھے ایک ایسا طریقہ
سلوک عطا کیا ہے کہ جو سب طریقوں سے قریب
ہے اور اس میں پانچ قسم کے قریب ذریعے ہیں۔
یعنی ایک تو ایمان حقیقی کا، دوسرا قرب المزاغل،
تیسرا قرب وجوب، چوتھا قرب فرائض اور
پانچواں قرب ملوک۔ اور اس کو ایسا عمدہ
تعمیت بنایا ہے کہ جو کوئی اس کا ارادہ کرے گا
وہ مراد کو پہنچے گا اور میرے رب نے مجھے مطلع
فرمایا ہے کہ ہم نے تجھے اس طریقہ کا امام مقرر
کیا ہے اور اس کی اعلیٰ بلندی پر پہنچا لیا ہے اور
ہم نے آج کے روز سے باقی سب طریقوں کو
حقیقت، قربت، تسک، پہنچنے سے مسدود کر دیا ہے
بجز اس طریقہ کے جو تجھے دیا گیا اور وہ ایک ہی
طریقہ ہے جو کھلا رکھا گیا۔ لوگوں کو چاہیے کہ تجھ
سے محبت کریں اور تیری فرمانبرداری کو ذریعہ نجات
سمجھیں اور اس آسمانی برکات، اس شخص پر نہیں
ہونگی جو تیرے ساتھ عداوت اور بغض رکھے گا اور
نہ وہ ارضی برکات کا مورد ہوگا اور مغرب اور

خاتو ۱۔

مشرق کے لوگ تیری رعیت کر دیے گئے ہیں۔ اور تو

(عجل مصنفی - جلد اول صفحہ ۱۴۲)

ان کا بادشاہ مقرر کیا گیا ہے، خواہ وہ لوگ تیری

حقیقت سے واقف ہوں یا نہ ہوں۔ اگر واقف

ہو گئے تو غائر المرام ہو گئے اور اگر بے خبر رہیں گے

تو خسارہ اور ٹوٹا پائیں گے۔

کیا خیاب شاہ صاحب کا یہ دعویٰ درست تھا یا نہیں؟ اگر ان کا دعویٰ درست تھا تو پھر ترجمان

کی مذکورہ بالا عبارت درست نہیں ہے۔

اس عبارت کے بعد ”ترجمان“ میں لکھا گیا ہے کہ:

”دعویٰ کر کے اس کے ماننے کی دعوت دینا اور اسے منوانے کی کوشش کرنا سرے سے

کسی مجدد کا منصب ہی نہیں“

نیز یہ کہ :-

”جو شخص یہ حرکت کرتا ہے وہ خود اپنے اس فعل ہی سے یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ فی الواقع

مجدد نہیں“

ان ارشادات کی بنیاد قرآن کریم ہے یا احادیث نبویہ، یا اپنے اجتہاد کی بنا پر یہ

فتویٰ دیا گیا ہے؟

رسالہ مذکورہ کے اسی صفحہ پر فقرہ علا کے ماتحت لکھا گیا ہے کہ :-

”کشف والہام وحی کی طرح کوئی یقینی چیز نہیں۔ اس میں وہ کیفیت نہیں ہوتی کہ حسب

کشف والہام کو آفتاب روشن کی طرح یہ معلوم ہو کہ یہ کشف والہام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوا یا نہیں“

اگر امت محمدیہ کے کالمین کے الہام و کشف کی یہ حقیقت ہے تو پھر ان کے خیر امت

ہونے کی حالت معلوم شد۔ حالانکہ پہلی امتوں میں عورتیں وحی یقینی سے مشرف ہوتی رہی ہیں اور

خدا کے ایسے بندے بھی ہوتے رہے ہیں کہ جن کے کشف والہام کا یہ عالم تھا کہ ایک اولوالعزم نبی

نوحی سوال کر کے نہ دست اٹھاتی پڑی۔

مگر سبحان اللہ! امت محمدیہ کے کالمین کے کثوف والہام عجیب قسم کے تھے کہ ان کو خود بھی یقین نہ تھا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں یا نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کو ان کو اس قسم کے الہامات و کثوف دکھانے کی ضرورت کیا پڑ گئی جن سے نہ کوئی دینی فائدہ منظور تھا اور نہ ہی صاحب کشف والہام کے لیے وہ موجب ازدیاد ایمان۔ بلکہ الٹا موجب تردّد ہونے کے سبب ایک قسم کی مصیبت تھے۔

جواب۔ آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وحی والہام کے مختلف مفہومات کو گڈ گڈ کر دیا ہے۔ ایک قسم کی وحی وہ ہے جسے وحی جاتی یا طبعی کہا جاسکتا ہے، جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کو اس کے کرنے کا کام سکھاتا ہے۔ یہ وحی انسانوں سے بڑھ کر جانوروں پر اور شاید ان سے بھی بڑھ کر نباتات و جمادات پر ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جسے وحی جزئی کہا جاسکتا ہے، جس کے ذریعے کسی خاص موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو امور زندگی میں سے کسی امر کے متعلق کوئی علم، یا کوئی ہدایت دیتا ہے یا کوئی تدبیر سمجھا دیتا ہے۔ یہ وحی آٹے دن عام انسانوں پر ہوتی رہتی ہے۔ دنیا میں ٹہی بڑی ایجادیں اسی وحی کی بدولت ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے اہم علمی اکتشافات اسی وحی کے ذریعے ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے اہم تاریخی واقعات میں اسی وحی کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ جبکہ کسی شخص کو کسی اہم موقع پر کوئی خاص تدبیر بلا غور و فکر اچانک سوجھ گئی اور اُس نے تاریخ کی رفتار پر ایک فیصلہ کن اثر ڈال دیا۔ ایسی ہی وحی حضرت موسیٰ کی والدہ پر بھی ہوئی تھی۔ ان دونوں قسم کی وحیوں سے بالکل مختلف نوعیت کی وحی وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو تفائق غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے اور اسے نظام زندگی کے متعلق ہدایت بخشتا ہے تاکہ وہ اس علم اور اس ہدایت کو عام انسانوں تک پہنچا سکے اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ یہ وحی انبیاء کے لیے خاص ہے۔ قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نوعیت کا علم، خواہ اس کا نام انقاد رکھیے، الہام رکھیے، کشف رکھیے، یا اصطلاحاً اسے وحی سے تعبیر کیجیے، انبیاء و رسل کے سوا کسی کو نہیں دیا جاتا۔ اور یہ علم صرف انبیاء ہی کو اس

طور پر دیا جاتا ہے کہ انہیں اس کے بن جانے اللہ ہونے، اور شیطان کی دراندازی سے بالکل محفوظ ہونے اور خود اپنے ذاتی خیالات، تصورات اور خواہشات کی آلائشوں سے بھی پاک ہونے کا پورا یقین ہوتا ہے نیز یہی علم محبت شرعی ہے، اس کی پابندی ہر انسان پر فرض ہے اور اس کو دوسرے انسانوں تک پہنچانے اور اس پر ایمان کی دعوت سب بندگان خدا کو دینے پر انبیاء علیہم السلام مامور ہوتے ہیں۔ اور پھر یہی وہی ہے کہ جس پر ایمان لانا لازمہ نجات اور جس سے روگردانی کرنا قطعی طور پر موجب خسار ہوتا ہے۔

انبیاء کے سوا دوسرے انسانوں کو اگر اس تیسری قسم کے علم کا کوئی جزو نصیب بھی ہوتا ہے تو وہ ایسے دھندلے اشعار کی حد تک ہوتا ہے جسے ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے وحی منبروت کی روشنی سے مدد لینا یعنی کتاب و سنت پر پیش کر کے اس کی صحت و عدم صحت کو جانچنا اور بصورت صحت اس کا منشا متعین کرنا، ضروری ہے۔ جو شخص اپنے الہام کو ایک مستقل بالذات ذریعہ ہدایت سمجھے اور وحی منبروت کی کسوٹی پر اس کو پرکھے بغیر اس پر خود عمل کرے اور دوسروں کو اس کی پیروی، اکی دعوت دے۔ اس کے ایسے طرز عمل کو از روئے شریعت کوئی سند جواز نہیں دی جاسکتی۔ قرآن میں اس حقیقت کو متعدد مقامات پر صاف صاف بیان کیا گیا ہے، خصوصاً سورہ جن کی آخری آیات میں تو اسے بالکل ہی کھول کر فرمایا دیا گیا ہے کہ علماء الغیب فلا یظہر علی غیبہ أحد الا من ارتضیٰ من رسولنا فانا یشہدک من بین یدیہ ومن خلفہ رصداً لیعلم انّ قد ابلغوا رسالت ربہم و احاط بہما لدیہم و احصی کل شیء عدداً۔

اگر ہم غور کریں تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ امت کے صالح و مصلح اذیوں کو نبی کا سا کشف و الہام نہ دینے اور اس سے کم تر ایک طرح کا تابعانہ کشف و الہام دینے میں کیا مصلحت ہے۔ پہلی چیز عطا نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی چیز نبی اور امتی کے درمیان بنائے فرق ہے، اسے دوسرے کیسے کیا جاسکتا ہے۔ اور دوسری چیز دینے کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ نبی کے بعد اس کے کام کو جاری رکھنے کی کوشش کریں وہ اس بات کے محتاج ہوتے ہیں کہ دین میں ان کو حکیمانہ بصیرت اور قامت دین کی سعی میں ان کو صحیح رہنمائی اللہ کی طرف سے حاصل ہو۔ یہ چیز غیر شہودی طور پر تو ہر خاص اور صمیم انظر

خادم دین کو بخش جاتی ہے، لیکن اگر کسی کو شعوری طور پر بھی دے دی جائے تو یہ اللہ کا انعام ہے۔
 قرآن کی رو سے یہ حیثیت صرف ایک نبی ہی کو حاصل ہوتی ہے کہ وہ امر شرعی سے مامورین اللہ
 ہوتا ہے اور خلق کو یہ دعوت دینے کا مجاز ہوتا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی اطاعت کریں
 حتیٰ کہ جو اس پر ایمان نہ لائے وہ خدا کو ماننے کے باوجود کافر ہوتا ہے۔ یہ حیثیت نبی کے سوا
 کسی کو بھی نظام دین میں حاصل نہیں ہے۔ اگر کوئی اس حیثیت کا مدعی ہو تو ثبوت اُسے پیش کرنا چاہیے
 نہ کہ ہم اس کے دعویٰ کی نفی کا ثبوت پیش کریں۔ وہ بتائے کہ قرآن و حدیث میں کہاں نبی کے سوا کسی
 کا یہ منصب مقرر کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اُس منصب پر مامور کیے جانے کا دعویٰ کرے
 اور اپنے اس دعوے کو ماننے کی لوگوں کو دعوت دے اور جو اس کا دعویٰ تسلیم نہ کرے وہ مجرّد اس
 بناء پر کافر اور جہنمی ہو کہ اُس نے مدعی کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کیا ؟

اگر کوئی شخص حدیث "من یجد دلہا دینہا" کا حوالہ دے، یا ان احادیث کو پیش کرے
 جو مہدی کی آمد کے متعلق ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں کہیں بھی مجدد یا مہدی کے منصب کی
 وہ حیثیت بیان نہیں کی گئی ہے جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ آخر ان میں کہاں یہ لکھا ہے کہ یہ لوگ
 اپنے مجدد اور مہدی ہونے کا دعویٰ کریں گے، اور جو ان کے دعوے کو ماننے کا وہی مسلمان رہے گا،
 باقی سب کافر ہو جائیں گے ؟

یہاں یہ بحث چھیڑنا بھی غلط بحث ہے کہ جو شخص تجدید و احیاء دین اور اقامت دین کا برحق
 کام کر رہا ہو اس کا ساتھ نہ دینا یا اس کی مخالفت، کرنا کس طرح موجب نجات ہو سکتا ہے۔ اس میں
 کوئی شک نہیں ہے کہ اس طرح کا کام جہاں اور جب بھی ہوتا ہے وہ فارق بین الحق والباطل بن جاتا
 ہے اور آدمی کے حق پرست ہونے کی پہچان یہی ہوتی ہے کہ وہ ایسے کام کا ساتھ دے۔ لیکن اس فرق
 و امتیاز کی بنیاد و راصل یہ ہوتی ہے کہ دین کی تجدید و اقامت میں سہی کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، نہ یہ
 کہ کسی مدعی کے دعوے کو ماننا ایمان کا تقاضا ہوتا ہے اور مجرّد اس پر ایک مسلمان نجات سے
 محروم ہو جاتا ہے کہ اس نے ایک شخص کے دعوے کو تجدید و اقامت یا مہدویت کو نہیں مانا۔

اب شاہ ولی اللہ صاحب اور مجدد سرہندی رحمہما اللہ کے دعووں کو لیجیے۔ ان دونوں بزرگوں کے تجدیدی اور اصلاحی کارناموں کے انحراف کے باوجود یہ کہے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان کا اپنے مجدد ہونے کی خود تصریح کرنا اور بار بار کشف و الہام کے حوالہ سے اپنی باتوں کو پیش کرنا ان کے شایان شان نہ تھا۔ ان کے اسی آدھانے بعد کے بہت سے کم ظرفوں کو طرح طرح کے دعوے کرنے اور امت میں نت نئے فتنے اٹھانے کی جرأت دلائی۔ کوئی شخص اگر تجدید کے لیے کسی قسم کی خدمت انجام دینے کی توفیق پاتا ہو تو اسے چاہیے کہ خدمت انجام دے اور یہ فیصلہ اللہ پر چھوڑے کہ اس کا کیا مقام اس کے ہاں قرار پاتا ہے۔ آدمی کا اصل مقام وہ ہے جو آخرت میں اس کی نیت و عمل کو دیکھ کر اور اپنے فضل سے اس کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ اسے دے، نہ کہ وہ جس کا وہ خود دعویٰ کرے یا لوگ اسے دیں۔ اپنے لیے خود اقباب و خطابات تجویز کرنا اور دعووں کے ساتھ انہیں بیان کرنا اور اپنے مقامات کا ذکر زبان پر لانا کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ بعد کے ادوار میں صوفیانہ ذوق نے تو اسے آنا گوارا کیا کہ خوشگوار بنادیا۔ سنی کہ بڑے بڑے لوگوں کو بھی اس فعل میں کوئی قباحت محسوس نہ ہوئی، مگر صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین کے دہ میں یہ چیز بالکل ناپید نظر آتی ہے۔

ہم شاہ صاحب اور مجدد صاحب کے کام کی بے حد قدر کرتے ہیں، اور ہمارے دل میں ان کی عزت۔ ان کے کسی معتقد سے کم نہیں ہے، مگر ان کے جن کاموں پر ہمیں کبھی تشریح صدر حاصل نہیں ہوئی ان میں سے ایک یہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ان کی کسی بات کو بھی اس بنا پر کبھی نہیں مانا کہ وہ اسے کشف یا الہام کی بنا پر فرما رہے ہیں، بلکہ جو بات بھی مانی ہے اس وجہ سے مانی ہے کہ اس کی ذیل مضبوط ہے، یا بات بجائے خود معقول و منقول کے لحاظ سے درست معلوم ہوتی ہے! اسی طرح ہم نے جو ان کو مجدد مانا ہے تو یہ ایک رائے ہے جو ان کا کام دیکھ کر ہم نے قائم کی ہے، نہ کہ ایک عقیدہ ہے جو ان کے دعووں کی بنا پر اختیار کر لیا گیا ہے۔